امام خمینیؒ اور نظریہ ولایت فقیہ

مولانا شاہد حسین (میثم نونہروی)

اسلامی دنیا میں لفظ 'ولایت' کوئی نیا لفظ نہیں ہے بلکہ یہ لفظ مختلف شکلوں میں قرآن میں بھی آیا ہے۔ جہاں تک اس کے مفہوم کا تعلق ہے تو گرچہ اس کے متعدد معانی بیان ہوئے ہیں مگر اس وقت ہم کسی طولانی یا اختلافی بحث میں پڑے بغیر صرف اس معنیٰ پر توجہ مرکوز کرنا چاہتے ہیں جس سے ہماری گفتگو کا سیدھا تعلق ہے اور وہ ہے 'سرپرستی'۔اس مضمون میں ہم پہلے یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ ولایت فقیہ کے موضوع پر علماء کے درمیان گفتگو یا بحث کس کس سطح پر ہوئی ہے اور اس سلسلے میں ان کے کیا نظریات ہیں۔آخر میں ہم اجمالی طور پر امام خمینیؒ کا وہ نظریہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے جو'' ولایت مطلقہ فقیہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

ابتدائی مرحلہ میں ہی اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ تقریباً تمام شیعہ علماء کا اتفاق ہے کہ زمانہ غیبت میں 'مجتہد' کو امت کے افراد پر ایک قسم کی سرپرستی حاصل ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض علماء نے ایسے شخص کے لئے 'حاکم شرع' کا لفظ بعض نے 'فقیہ جامع الشرائط' کا لفظ اور بعض نے اس جیسے دوسرے الفاظ کا استعمال کیا ہے۔مگر سب یہ مانتے ہیں کہ اپنے علم اور تقویٰ کی بدولت مجتہد کو افراد امت پر سرپرستی کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اور غور سے دیکھا جائے تو تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہ بات ہر سماج میں موجود ہر عالم اور ماہر کے سلسلہ میں پائی جاتی ہے ۔مثلاً جو انسان علم طب حاصل کر کے ڈاکٹر بنتا ہے، اسے جانے انجانے لوگ اپنا سرپرست مان لیتے ہیں یعنی اپنے جسم پر اس کی سرپرستی کو قبول کر لیتے ہیں تبھی تو وہ لوگ اپنے جسم کو اس کے حوالے کر کے اس کے تجویز کردہ علاج و پرہیز پر عمل کرتے ہیں۔

پہلے مرحلے میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ امت کو مجتہد کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے مگر اس کے بعد کے مرحلے میں ان کے نظریات میں تھوڑا اختلاف پایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ ان کے درمیان اس بات پر بحث ہوتی کہ امت کو کن امور میں فقیہ جامع الشرائط کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے؟ تیسرے

مرحلے میں ان کے درمیان گفتگو کا محور یہ ہوتا ہے کہ زمانہ غیبت میں حکومت اسلامی کے قیام کی کوشش ایک فریضہ ہے یا نہیں اور اگر اسلامی حکومت بن جائے تو وہ فقیہ جو اس کا سربراہ ہوگا، اس کے اختیار بقیہ تمام مجتہدین سے زیادہ ہوں گے یا نہیں؟ اور اگر ہاں! تو وہ اختیارات کیا ہوں گے اور ان کی دینی اور شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

اس مقالے میں تمام علماء کے نظریات کو تو پیش نہیں کیا جاسکتا مگر چند نظریات پر ہم روشنی ضرور ڈالیں گے اور کل ملا کر یہ دکھانے کی کوشش کریں گے کہ اس سلسلہ میں امام خمینیؒ کے وہ نظریات جو انہوں نے ''ولایت مطلقہ فقیہ'' کے عنوان سے پیش کیے تھے بقیہ علماء کے نظریات سے کس طرح مختلف ہیں۔سب سے پہلے ولایت کے مختلف معانی اور درجات کو اختصار کے ساتھ پیش کردینا لازمی معلوم ہوتا ہے۔

علماء کا اتفاق ہے کہ 'ولایت' جس کے لغوی معنی سرپرستی کے ہیں وہ مختلف قسم کی ہوسکتی ہے: اس کا بالاترین مرتبہ ''ولایت تکوینی'' ہوتا ہے۔ جس سے مرادہ وہ اختیار ہے جس کی بدولت ولایت تکوینی کا حامل انسان کائنات کی تمام چیزوں میں تصرف کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں خداوند عالم جس انسان کو ولایت تکوینی دیتا ہے اسے یہ حق دیتا ہے کہ وہ مرضیٔ خدا سے مخلوقات کی ماہیت ، خلقت اور طینت کو تبدیل کردے۔ مثلاً اگر چاہے تو چاند کے دوٹکڑے کردے یا ڈوبتے ہوئے سورج کو پلٹادے وغیرہ وغیرہ۔ ایسا انسان اس بات پر بھی قادر ہوتا ہے کہ وہ اس کائنات میں پائے جانے والے قدرتی اور طبیعی قوانین کو تبدیل کرسکے۔ مثلاً زمین کی کشش خدا کا بنایا ایک قدرتی قانون ہے لیکن ولایت تکوینی کا مالک اگر چاہے تو اس کشش کو کم یا زیادہ کرسکتا ہے یا پھر ختم کرسکتا ہے۔

شیعہ علماء اس بات کے بھی معتقد ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں مثلاً انبیاءؑ ائمہؑ اور اولیاءؑ کو ہی ولایت تکوینی سے نوازتا ہے۔ نیز ان کا کہنا ہے کہ ولایت تکوینی ایک عینی حقیقت رکھتی ہے۔یعنی ولایت تکوینی کے مالک افراد ماہیت وخلقت کے اعتبار سے بقیہ بندوں سے جداہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے اندر ولایت تکوینی ودیعت کرتا ہے۔ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ انبیاؑء اور ائمہؑ جو معجزے یا کرامات دکھاتے ہیں وہ اسی ولایت تکوینی کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔[۱]

ولایت کی دوسری قسم کو 'ولایت تشریعی' کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کا درجہ ولایت تکوینی سے کم

ہوتا ہے اور اس ولایت کے حامل شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے لئے شرعی قوانین وضع کرے یعنی لوگوں کو یہ بتائے کہ انہیں کون سا عمل انجام دینا ہے او رکون سا نہیں۔ البتہ ولایت کی اس دوسری قسم کی تعریف کو شیعہ علماء نے الگ الگ طریقوں سے پیش کیا ہے۔بعض کی نگاہ میں اس کا مفہوم کچھ ہے تو بعض کی نگاہ میں کچھ۔ اسی طرح کسی نے اس کے لئے کچھ دائرہ معین کیا ہے تو کسی نے کچھ۔ اور بعض نے تو اس کی بھی مختلف قسمیں کردی ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ ولایت تشریعی اگرچہ ایک اعتباری شئے ہے یہاں اعتباری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا حامل انسان پیدائشی طور پر دوسروں سے مختلف نہیں ہوتا بلکہ اسے یہ ولایت ایک عہدے اور منصب کے طور پر اللہ کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔مگر اس کی بھی دو قسمیں ہیں: ولایت تشریعی [۲] شہید مطہریؒ نے ولایت تشریعی کے اقسام کو ذرا مختلف الفاظ میں بیان کیا ہے جیسے کہ ولاء امامت و پیشوائی روحانی اور ولاء زعامت ورہبری اجتماعی [۳]

لیکن بعض علماء کا کہنا ہے کہ چونکہ اسلام میں قانون سازی تین طرح سے ہوتی ہے اس لئے ولایت تشریعی کی بھی تین قسمیں یا تین مرحلے ہوتے ہیں پہلا مرحلہ فرائض الٰہی کا ہوتا ہے۔ یہ وہ بنیادی قوانین ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خود بنایا ہے اور جن کا ذکر اس نے اپنی کتاب قرآن مجید میں پوری صراحت کے ساتھ کردیا ہے۔ان قوانین میں تبدیلی کا حق کسی کو نہیں ہوتا ہے یہاں تک کہ پیغمبر اسلامؐ کو بھی نہیں، البتہ ایسے علماء یہ ضرور مانتے ہیں کہ موضوع میں تبدیلی کے سبب ایسے قوانین کا وقتی طور پر اٹھالیا جانا الگ بات ہے اور یہ حق جناب رسولؐ خدا کو حاصل تھا لیکن یہ بات ثانویہ کے زمرے میں آتی ہے دوسرے مرحلے میں جناب رسالت مآبؐ کے ذریعہ بنائے گئے وہ قوانین ہیں جو وجوب کی ہی حیثیت رکھتے ہیں اور ان میں تبدیلی کا حق سوائے رسول خداؐ کے کسی کو نہیں۔ مثلاً زکوٰۃ کا حکم صرف نو چیزوں پر لگایا جانا۔ یہ قانون گرچہ نبیؐ نے بنایا تھا مگر اس میں بھی تبدیلی کا حق کسی کو نہیں۔ تیسرا مرحلہ یا تیسری قسم ان قوانین کی ہے جن کا تعلق حکومت اور منصب حاکمیت سے ہوتا ہے۔ یہ وہ قوانین ہیں جو وقت وضرورت کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں اور ان کو بنانے کا حق ہر حاکم عادل کو ہوتا ہے خواہ وہ رسولؐ خدا ہوں یا ائمہ طاہرینؑ یا ان کا مقرر کردہ۔ جسے اصطلاح میں نائب خاص یا نائب عام کہتے ہیں (معصومینؑ کا نائب خاص وہ شخص ہوتا ہے جسے وہ حضراتؑ نام لیکر اپنا نمائندہ معین کرتے ہیں مثلاً جناب مالک اشتر جنہیں حضرت علی علیہ السلام نے مصر کا گورنر بنایا تھا۔

جبکہ نائب عام معصومینؑ کا وہ نمائندہ ہوتا ہے جس کی آئمہ صرف صفات شرائط بیان کردیتے ہیں مگر نام لیکر اسے معین نہیں کرتے مثلاً زمانہ غیبت میں وہ فقیہ جس کی صفات کا ذکر احادیث میں آیا ہے جس کو بعبارت دیگر فقیہ جامع الشرائط کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔اس تیسرے قسم کے قوانین کے سلسلہ میں ہر حاکم کی حیثیت بھی یکساں ہوتی ہے۔یعنی جناب رسولخداؐ، ائمہ طاہرینؑ اور ان کا نائب خاص یا پھر نائب عام، سب کے سب برابر حیثیت کے مالک ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس تیسرے قسم کی ولایت کا دائرہ ہر عادل ، حاکم اسلامی کے لئے یکساں ہوتا ہے اور اس میں حاکم کے رتبہ اور منزلت کا کوئی فرق نہیں ہوتا۔[۴]

مزید وضاحت کے لئے امام خمینیؒ کی بیان کردہ ایک مثال کو پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جس میں انہوں نے بڑی خوبصورتی سے یہ بیان کیا ہے کہ تیسرے قسم کی ولایت میں حاکم کے رتبہ اور مقام سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں ''یہ گمان کہ جناب رسول خداؐ کے حکومتی اختیارات، حضرت علیؑ کے حکومتی اختیارات سے زیادہ تھے یا حضرت علیؑ کے حکومتی اختیارات ، فقیہ کے حکومتی اختیارات سے زیادہ ہوتے ہیں ایک باطل اور غلط گمان ہے۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسالت مآبؐ کی فضیلت ، پوری کائنات سے زیادہ ہے اور اس کے بعد حضرت علیؑ کے فضائل ہر انسان سے زیادہ ہیں ۔لیکن (کسی کے) باطنی فضائل، اس کے حکومتی اختیارت میں اضافہ نہیں کرتے....مثلاً جملہ امور میں سے ایک ذمہ داری جو فقیہ اپنے اوپر لیتا ہے وہ اسلامی سزاؤں کا نفوذ ہے۔مگر یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ کیا اسلامی سزاؤں کے دئے جانے میں رسولؐ ، امامؑ یا فقیہ میں کوئی فرق ہوتا ہے؟ آیا ایسا ہے کہ چونکہ فقیہ کا رتبہ کم ہوتا ہے لہٰذا وہ کم سزادے گا؟ اور کیا ایسا ہے کہ اسلام نے اگر زانی کی سزا ۱۰۰ تازیانے معین کی ہے تو اگر رسولؐ وہ سزادیں گے تو ۱۵۰ تازیانے ہوگی اور اگر امیرالمومنینؑ وہ سزادیں گے تو ۱۰۰ تازیانے ہوگی اور ایک فقیہ وہ سزادیں گے تو ۵۰ تازیانے ہوگی؟ یا پھر ایسا ہے کہ حاکم یا قوہ اجرائیہ کے نگراں کی ذمہ داری صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ حد خدا کو جاری کرے خواہ وہ جناب رسول خداؐ ہوں خواہ جناب امیر المومنینؑ ہوں یا ان کا کوئی نمائندہ یا منصوب کیا کوئی قاضی یا پھر آج کے دور کا فقیہ؟ ....''[۵]

سردست یہ بتادینا لازمی ہے کہ اس تیسرے قسم کی ولایت تشریعی کو علماء نے مختلف نام دئے ہیں مگر ہر ایک کی مراد ایک ہے اور ہر ایک اس بات کا قائل ہے کہ خدائی قوانین کو نافذ کرنے کے

سلسلے میں ایک غیر معصوم مگر عادل، حاکم کے اختیارات، ایک معصوم حاکم سے کم نہیں ہوتے۔

ولایت تکوینی اور پھر ولایت تشریعی کے تین مرحلوں کی وضاحت کے بعد اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہوئے یہ دیکھنا ہے کہ ولی فقیہ کا دائرہ اختیار کتنا وسیع یا تنگ ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں موضوع پر تو اختلاف پایا جاتا ہے کہ فقیہ کی ولایت کا دائرہ کتنا وسیع ہوتا ہے مگر اصل ولایت سے کسی نے انکار نہیں کیا ہے۔ یعنی سبھی یہ مانتے ہیں کہ مجتہد کو ایک قسم کی ولایت وسرپرستی کا حق حاصل ہوتا ہے اور اس کے حکم کی تعمیل ضروری ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمیں کسی بھی شخص یا مجتہد کو منکر ولایت کہنے سے قبل اس کے نظریات کا بخوبی مطالعہ کرنا چاہئے اور اس سلسلہ میں زبان کھولنے سے پہلے سو بار سوچنا چاہئے۔

جہاں تک ولی فقیہ کے اختیارات کا تعلق ہے تو یہ کوئی نیا موضوع نہیں ہے کیونکہ آج سے تقریباً ۲۲۰ سال پہلے شیخ مرتضٰی انصاریؒ نے بھی فقیہ کے اختیارات پر روشنی ڈالی تھی۔ چنانچہ آیت اللہ جوادی آملی نے ان کے قول کو اس طرح نقل کیا ہے۔ ''گرشتہ روایات سے یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ فقیہ کا حکم احکام شرعیہ کی تمام خصوصیات میں نیز تمام موضوعات اور ان کی خصوصیات کے سلسلہ میں نافذ ہوتا ہے۔ کیونکہ عمر بن حنظلہ کی روایت مقبولہ میں استعمال ہوئے لفظ 'حاکم' سے متسلط مطلق' کی ہی طرف تبادر ہوتا ہے۔ چونکہ امام علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ'' فانّی قد جعلته علیکم حاکماً''۔[۶]

> اسی طرح انہوں نے صاحب جواہر الکلام کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔'' ممّا یظهر بأدنی تأمل فی النّصوص وملاحظّتهم حال الشیعه وخصوصاً علماء الشیعه فی زمن الغیبة والخفاء، بالتوقیع الّذی، جاء الٰهی مفید من ناحیة المقدسة وما اشتمل علیه من التبجیل والتعظیم بل لولاعموم الولایه لبقی کثیر من الامور المتعلقه بشیعتهم معطله...''
>
> ترجمہ: معصومینؑ سے صادرات اور ان حضرات کی اپنے شیعوں کی توجہ کے بارے میں ذرا بھی غورکر نے سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ (فقہ) ولایت عمومی رکھتا ہے خاص طور پر زمانۂ غیبت میں امام زمانہ کی بارگاہ اقدس سے شیخ مفید کے نام آئے خط اور اس میں امت کے مسائل کو دی گئی

اہمیت سے بھی یہ بات واضح ہوجاتی ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر (فقیہ کی) ولایت عمومی نہ ہوگی تو ائمہ طاہرینؑ کے شیعوں سے متعلق بہت سے امور بیکار اور بے اثر ہوجائیں گے۔

گزشتہ سطروں میں مذکور شیخ انصاریؒ اور صاحب جواہر کے کلمات سے یہ تو پتہ چل جاتا ہے کہ ان کی نگاہ میں زمانہ غیبت میں فقیہ کی ولایت و سرپرستی کا دائرہ بہت وسیع تھا مگر یہ نہیں معلوم ہو پاتا کہ فقیہ کے ذریعہ بنائے گئے قوانین کی حیثیت ان کی نگاہ میں کیا تھی؟

ان دو بزرگ علماء کے اقوال کے بعد جس عظیم عالم کا قول یہاں نقل کرنا مقصود ہے وہ علاّمہ محمد حسین نائینی: (متوفی ۱۹۳۶ء) ہیں۔ ان کا شمار درجہ اول کے مجتہدین میں ہوتا ہے۔ یہ اپنے زمانے کے مرجع تقلید اور بہت بلند پایہ کے عالم تھے۔ انہوں نے سیکڑوں مجتہدین کی تربیت کی اور بعد میں ان کے بہت سے شاگرد مرجع تقلید بنے۔ اور غالباً یہ وہ پہلے شیعہ مجتہد تھے جنہوں نے اس موضوع پر سب سے زیادہ تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور ایک پوری کتاب مرتب کی ہے۔ علاّمہ نائینیؒ نے اپنی کتاب 'تنبیہ الامّہ وتنزیہ الملّہ' میں شیعہ علماء کی توجہ اس بات کی طرف بھی دلانی چاہی ہے کہ زمانے کی تبدیلیوں کے سبب اسلام کے سیاسی نظام میں بھی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ ان کے مخاطب در اصل وہ علماء تھے جن کا ماننا تھا کہ احکام شرعیہ کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی قانون ساز ادارے یا پارلیامنٹ کی ضرورت نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اگر اس قانو ساز ادارہ کے ذریعہ بنائے گئے قوانین، قرآن وسنت کے عین مطابق ہوں گے تو یہ تحصیل حاصل ہوگا اور اگر قوانین، قرآن وسنت کے مخالف ہوں گے تو یہ ایک قسم کی بدعت ہوگی ،اور بدعت اسلام میں حرام ہے۔ آقائے نائینیؒ نے ایسے افراد کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر غور سے دیکھا جائے تو حکومتی کام مثلاً سماج میں نظم ونسق کو برقرار رکھنا، اسلامی ملک کو دشمنوں کو بچانا اور سماجی معاملات کو باقاعدگی سے دیکھنا وغیرہ در اصل دو قسم کے ہوتے ہیں: پہلے وہ جن کا تذکرہ دینی متون میں پہلے ہی سے موجود ہے۔ چنانچہ ان امور میں تمام انسانوں کی ذمہ داری بھی پوری طرح سے معین ہوچکی ہے۔ مگر دوسری قسم کے امور وہ ہیں جن کا ذکر دینی متون (جیسے قرآن وحدیث) میں نہیں ہوا ہے۔ نتیجتاً ان کو کسی ضابطہ کے تحت معین بھی نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا ان کا دارومدار بھی حاکم (عادل) کی صواب دید اور اس کے ذاتی فیصلہ پر ہوتا ہے۔[۷]

علاّمہ نائینی کے بعد جس جلیل القدر اور فلسفی کا قول یہاں نقل کرنا لازمی معلوم ہوتا ہے وہ

علامہ محمد حسین طباطبائی (متوفی ۱۹۸۲ء) ہیں۔ ان کے بقول اسلام نے ایسے قوانین اور طریقہ کار کو مدنظر رکھا ہے جو نوع انسانیت کی فلاح کے بہترین ضامن ہیں اور جدید زندگی کی ضرورتوں کو پورا کرنے کو یقینی بناتے ہیں۔ دوسری طرف وہ تسلیم کرتے ہیں کہ گذشتہ صدیوں میں انسان کی زندگی بیحد سادہ تھی مگر آج وہ بہت پیچیدہ بن چکی ہے: کام بہت ٹیکنکل بن چکا ہے جس کے نتیجے میں ہر میدان میں مختلف شعبے پیدا ہوگئے ہیں۔ مذکورہ دونوں باتوں (یعنی اسلام کا تاقیام قیامت باقی رہنا اور زمانے کی تبدیلیوں کے ساتھ انسانی ضرورتوں کا بدلنا) کے مدنظر علامہ طباطبائی نے نوع انسانیت پر حاکم قوانین کو دو طبقوں میں تقسیم کیا ہے: پہلے وہ قوانین جو زمان ومکان کے بدلنے کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ یعنی جیسے جیسے انسانی تہذیب ترقی کرتی جاتی ہے ان میں تبدیلی آتی جاتی ہے اور دوسرے وہ قوانین جو نہ تو بدلتے ہیں اور نہ ہی منسوخ ہوتے ہیں کیونکہ ان کا تعلق انسان کی نہ بدلنے والی فطرت سے ہوتا ہے۔[۸]

میرزا نائینی اور علامہ طباطبائیؒ کے اقوال سے یہ بات کسی حد تک واضح ہوجاتی ہے کہ یہ دونوں ہی ہستیاں اس بات کی قائل تھیں کہ وہ تمام قوانین کہ جنہیں قوانین شریعت کہا جاتا ہے، ثابت ہیں اور ان میں تبدیلی نہیں آتی۔ اس کے بعد ہم شہید مرتضٰی مطہریؒ کے قول کو نقل کرنا چاہیں گے کیونکہ علاّمہ طباطبائی کے شاگرد ہونے کے سبب انہوں نے ہی علامہ طباطبائیؒ کے نظریات کو آگے بڑھایا۔ مگر استاد اور شاگرد کے نظریات میں اتنا فرق ضرور تھا کہ شاگرد (یعنی شہید مطہریؒ) کا ماننا تھا کہ نہ تو اسلام پوری طرح سے لایتغیر ہے کہ جس کے سبب اس کے قاعدے اور قوانین میں تبدیلی نہ آسکے اور نہ ہی وقتی ضرورتیں ایسی ہیں جو ہمیشہ بدلتی رہیں[۹]

اس کے علاوہ استاد اور شاگرد کے نظریات میں ایک فرق اور تھا۔ اور وہ یہ کہ شاگرد اس بات کے قائل تھے کہ اسلام کے قوانین منصوبہ بھی بدل سکتے ہیں۔ یعنی جن اسلامی قوانین کا ذکر صراحت کے ساتھ قرآن وحدیث میں ہوا ہے ان میں بھی وقت کے ساتھ تبدیلی کی گنجائش پائی جاتی ہے۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ کسی باہری طاقت (مثلاً کسی عالم یا کمیٹی) کو اس میں ترمیم کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وجہ یہ ہے کہ پیکر اسلام اپنے اندر ایک ایسا سسٹم سموئے ہوئے جو خود بخود اپنے اندر تبدیلیاں کرتا رہتا ہے۔ اور علماء وفقہاء کا کام تو صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ اس تبدیلی کو معلوم کریں۔[۱۰]

ایک مقام پر شہید مطہری فرماتے ہیں

''یہ وہی جگہ ہے کہ جہاں پر فقہاء اور مجتہدین پر واجب ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے حالات و وضروریات کو پہچانیں یعنی مختلف زمانے کے اہم ومہم کو پہچانیں۔اور یہ طے ہے کہ اگر وہ ان باتوں کو پہچانیں گے تو بہت سی ایسی مشکلات جو آج ہمارے سامنے آتی ہیں اور جو واقعاً بہت مشکل ہیں اور جن کا راستہ مسدود ہوتا نظر آتا ہے، وہ برطرف ہوجائیں گی۔ یہ ایک راہ حل ہے اسلام کا عصری تقاضوں کے ساتھ منطبق ہونے کا یعنی اسلامی قوانین میں تبدیلی کا۔لیکن یہاں مراد ایسی تبدیلی ہے جو نسخ کا درجہ نہ رکھتی ہو بلکہ ایسی تبدیلی جس کی اجازت خود اسلام نے دی ہے۔ اسلام نے اپنے قوانین کو اس طرح بنایا کہ یہ جس کے نتیجے میں مختلف زمانوں ، جگہوں اور حالات میں وہ قوانین خود ہی بدلتے رہتے ہیں''۔[۱۱]

ان تمام نظریات کو پیش کرنے کے بعد اب ہم اس بارے میں امام خمینیؒ کا نظریہ پیش کرنا چاہیں گے کہ جو اگر غور سے دیکھا جائے تو گزشتہ تمام نظریات سے ایک قدم آگے ہے۔ امام خمینیؒ معتقد تھے کہ ولی فقیہ کے اختیارات ،شریعت کے دائرے میں محدود نہیں ہوتے ہیں۔یعنی ایسا نہیں کہ ولی کو صرف شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے قوانین بنانے اور احکام صادر کرنے کا حق ہوتا ہے۔ بلکہ اس کا دائرہ اختیار اس سے کہیں زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ البتہ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ''شریعت کے دائرے میں محدود نہ رہنے' کا مطلب یہ نہیں کہ ولی فقیہ کے بنائے قوانین کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر کسی موقع پر ان کا احکام شرعیہ میں جن کا تذکرہ قرآن وسنت میں ہوا ہے اور ولی فقیہ کے ذریعہ بنائے ہوئے قوانین میں تضاد پیدا ہوتو ولی فقیہ کے بنائے قوانین کو فوقیت دی جائے گی۔ اور یہ بات چندی ہی سطروں بعد امام خمینیؒ کے کلام اور ان کی دی مثالوں سے ثابت ہوجائے گی۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ جب ہم ولایت فقیہ کے موضوع پر امام خمینیؒ کے نظریات کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے ولایت فقیہ کے موضوع پر مختلف مقامات پر گفتگو کی ہے۔ مثلاً نجف اشرف میں''ولایت فقیہ: حکومت اسلامی، کے موضوع پر دئے گئے ان کے دروس ۔ اور اسی طرح''کتاب البیع''کے ضمن میں اختیارات ولی فقیہ پر کی گئی ان

کی گفتگو، مگر ان تمام بیانات کے درمیان ان کا سب سے اہم اور واضح بیان وہ ہے جو ان کے انتقال پر ملال سے تقریباً ڈیڑھ سال پہلے ایک خط کی شکل میں منظر عام پر آیا۔ یہ خط انہوں نے اس زمانے کے صدر جمہوریہ اور آج کے رہبر انقلاب حضرت آیت اللہ خامنہ ای مدظلہ کے نام لکھا تھا۔ قصہ اس طرح تھا کہ پہلے امام خمینیؒ نے شورای نگہبان کو مخاطب کرکے ولایت مطلقہ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا اور پھر اگلے ہی ہفتے نماز جمعہ کے خطبوں میں آقائے خامنہ ای مدظلہ نے نماز گزاروں سے فرمایا کہ ولایت مطلقہ فقیہ سے امام خمینیؒ کی مراد یہ تھی کہ دائرہ شریعت میں رہتے ہوئے ولی یا حکومت کو قوانین بنانے کا اختیار ہوتا ہے۔ مگر جیسے ہی امام خمینیؒ کو اپنے کلام کی اس تشریح کی اطلاع ملی انہوں نے فوراً ایک خط آیت اللہ خامنہ ای کے نام لکھا اور یہ بتایا کہ وہ اپنے کلام کی اس تشریح وتفسیر سے متفق نہیں جو نماز جمعہ میں پیش کی گئی۔ مذکورہ خط میں امام خمینیؒ نے تحریر فرمایا کہ: نماز جمعہ میں آپ کے بیانات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ حکومت کو اس ولایت مطلقہ کے معنیٰ میں کہ جو اللہ کی جانب سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا ہوئی تھی اور جو فرامین خدا میں سب سے اہم ہے اور تمام احکام شرعیہ پر تقدم رکھتی ہے، صحیح نہیں سمجھتے۔ اور آپ کا یہ فرمانا کہ میری مراد یہ تھی کہ حکومت، احکام خدا کے ڈھانچے میں رہتے ہوئے ہی سارے اختیار رکھتی ہے، میرے نظریات کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ اگر حکومت کے اختیارات احکام فرعیہ کے ڈھانچے میں محدود ہوتے تو پھر پیغمبر اسلامؐ کو حکومت الٰہیہ کا دیا جانا اور ولایت مطلقہ کا ان کے سپرد کیا جانا بے معنیٰ اور بے مقصد ہوجاتا۔ اور اب میں اس فرض کے نتائج کی طرف اشارہ بھی کیے دیتا ہوں کہ جن کا قائل (میری نگاہ میں) کوئی انسان نہیں ہوسکتا۔ مثلاً ایسی سڑک کا بنانا کہ جس میں کسی کا گھر یا اس کے ایک حصے کو گرانے کی ضرورت پڑے، یہ کام یعنی کسی کے گھر کو گرانا) احکام فرعیہ کے دائرے میں نہیں آتا۔ اسی طرح لوگوں کے محاذ جنگ پر جانے کو لازمی بنانا، دوسرے ملکوں کی کرنسی کے ملک میں آنے اور جانے پر پابندی لگانا، اور دو تین موارد کو چھوڑ کر بقیہ موارد میں ذخیرہ اندوزی کو روکنا، کسٹم اور مالیات، گرانفروشی کو روکنا، قیمتیں معین کرنا، نشہ آور اشیاء پر پابندی اور شراب کو چھوڑ کر ہر قسم کے نشے اور بُری عادت پر پابندی لگانا، اسلحوں کو اپنے ساتھ لے کر چلنے پر پابندی لگانا اور اس طرح کی سیکڑوں مثالیں جن کے بارے میں قانون بنانا حکومت کے اختیارات میں ہوتا ہے، آپ کی تفسیر کے مطابق حکومت کے دائرۂ اختیار سے باہر ہوگا۔ میں یہ بتادوں جو کہ رسول خداؐ کی ولایت مطلقہ کا ایک شعبہ

ہے، اسلام کے احکام اولیہ میں سے ایک ہے، تمام احکام فرعیہ یہاں تک کہ نماز، روزہ اور حج پر بھی فوقیت رکھتی ہے۔ حاکم کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ اگر کوئی مکان کسی سڑک کے بیچ پر رہا ہو تو وہ اسے ڈھادے او اس کی قیمت اس کے مالک کو ادا کردے، حاکم کو یہ حق ہے کہ ضرورت پڑے تو کسی مسجد کو بند کردے اور ایسی مسجد ضرار کہ جس کو ڈھائے بغیر کام نہ چلتا ہوتو اسے مسمار کردے، حکومت کو حق حاصل ہوتا ہے کہ اس نے جو شرعی معاہدے عوام کے ساتھ کیے ہیں اگر ملک کے مفاد کے خلاف ہوں تو انہیں یک طرفہ طور پر منسوخ کردے، اور اسے حق حاصل ہوتا ہے کہ ہر وہ عمل خواہ عبادی ہو یا غیر عبادی اگر مفاد اسلام کے خلاف ہوتو اسے اس وقت تک کے لئے کہ جب تک وہ مفاد اسلام کے خلاف رہے، روک دے۔ حکومت چاہے تو حج جو کہ خدا کے اہم فرائض میں سے ہے۔ اس پر ان موقعوں پر کہ جب وہ اسلامی مملکت کے مفاد میں نہ ہو، پابندی لگادے۔ (اور لوگوں کی جانب سے ولایت فقیہ کے بارے میں) اب تک جو کچھ بیان ہوا ہے یا بیان کیا جارہا ہے وہ (ان کے) ولایت مطلقہ الٰہی سے ناواقف ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ۱۲

امام خمینیؒ کی اس تحریر سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ ولی فقیہ (کہ جسے اگر' حکومت اسلامی' کہا جائے تو بہتر ہوگا کیونکہ خود امام خمینیؒ نے بھی کئی مقامات پر اسی لفظ کا استعمال کیا ہے) کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ ان امور میں جن کا تذکرہ واضح طور پر قرآن وحدیث میں نہیں ہوا ہے، اپنی جانب سے قانون بنائے۔ نیز جن امور میں حکم شرعی پہلے سے بیان ہوچکا ہے، ان میں مصلحت عامہ اور مفاد اسلام کے پیش نظر تبدیلی کرے یا پھر انہیں کچھ عرصہ کے لئے موقوف کردے۔ البتہ ممکن ہے کہ اس نکتہ تک پہنچتے پہنچتے کسی شخص کے ذہن میں درج ذیل دوسوال پیدا ہوں:

۱۔ وہ اسلام جو زندگی کے ہر گوشے میں انسان کی رہنمائی کا دعویٰ کرتا ہے، کیا اس نے انسانی زندگی سے متعلق کچھ معاملات میں خاموشی اختیار کی ہے جس کے نتیجے میں فقیہ کو اس بات کی ضرورت پڑتی ہے کہ وہ ان کے بارے میں قانون وضع کرے؟ یعنی آیا اسلام ایک مکمل دین نہیں ہے؟ (یہ ایک طولانی موضوع ہے کہ جسے اصطلاح میں 'منطقۃ الفراغ' کہتے ہیں۔

۲۔ ولی فقیہ کی حیثیت اسلام میں کیا ہوتی ہے؟ کیا وہ جناب رسول خداؐ اور ائمہ طاہرینؑ کا ہم پلہ ہوتا ہے؟ ثانیاً اس کے بنائے قوانین کی دینی حیثیت کیا ہوتی ہے؟ اسے قوانین بنانے کا اختیار ہوتا ہے یا پھر صرف قوانین کو سمجھنے اور ان کا استنباط کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے؟

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے تو اس کے متعدد جواب دئے گئے ہیں۔ مثلاً بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آیۂ اکمال دین کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام دین کامل ہے اور اس نے ایسی کوئی چیز نہیں چھوڑی کہ جس کا حکم اور قانون بیان نہ کردیا ہو، خواہ وہ حکم بہ شکل عموم یا اطلاق ہی کیوں نہ ہو یا پھر بہ شکل اصول عملیہ کیوں نہ ہو۔ لہٰذا قرآن وحدیث کے ہوتے ہوئے کسی کے لئے قانون وضع کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ مگر بعض علماء کا ماننا ہے کہ آیۂ اکمال دین خود ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ہر چیز کا حکم قرآن وسنت میں بیان نہیں ہوا تھا۔ اور وہ اس طرح کہ یہ آیت اعلان ولایت کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔ یعنی خداوند عالم نے اشارتاً لوگوں کو بتادیا کہ جن چیزوں کا حکم قرآن وسنت میں نہیں ہے ان کے بارے میں حکم یا قانون بنانے کا اختیار 'ولی' کو ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں یہ بات اسی طرح ہے کہ بالفرض اگر اس کائنات میں ایک کروڑ موضوعات ہوں تو ان میں سے ایک حصے سے متعلق قوانین اللہ تعالیٰ نے قرآن وسنت کے ذریعہ لوگوں کو بتادئے اور بقیہ کے بارے میں وضع قوانین کا ذمہ حاکم کو دے دیا کہ وہ وقت کی ضرورت کے اعتبار سے انہیں بنائے۔ اس دوسرے نظریے کے مطابق ولایت کو نماز، روزہ اور حج وغیرہ کے عرض میں ایک حکم مانا جاتا ہے یعنی نماز، روزہ کی طرح ایک چیز۔

مگر علماء کا ایک تیسرا گروہ ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ نہ صرف اللہ نے بعض موضوعات کے احکام کو وضع کرنے کا حق، حاکم یا ولی کو دیا ہے بلکہ ولی کے ذریعہ وضع کئے گئے قوانین بقیہ شرعی قوانین جیسے نماز، روزہ اور حج وغیرہ پر فوقیت بھی رکھتے ہیں۔ نتیجتاً اگر کسی موقع پر نماز یا روزہ سے متعلق کوئی حکم، ولی کے بنائے کسی حکم سے ٹکرا جائے تو ولی کے بنائے حکم کو فوقیت دی جائے گی۔ البتہ اس موقع پر کسی کو یہ اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ کیسے ممکن ہے کہ حاکم اسلامی کا بنایا قانون، خدا کے بنائے قانون پر تقدم رکھتا ہو، کیونکہ اسی طرح ولایت ہمیں دوسرے مقامات پر بھی نظر آتی ہے مثلاً اللہ کے بنائے قانون کے تحت مسجد میں نماز پڑھنا مستحب ہے لیکن اگر ایک باپ اپنے بیٹے کو مسجد میں نماز پڑھنے سے روکے تو اس بارے میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ بیٹے پر باپ کے حکم کا ماننا واجب ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ باپ اپنے بیٹے پر ولایت رکھتا ہے اور یہ قانون ولایت بھی اللہ کا بنایا ہوا ہے۔ ٹھیک اسی طرح اگر حاکم اسلامی، مفاد اسلامی کے مدنظر کسی سال لوگوں کو حج پر جانے سے روک دے تو اس کے حکم کی تعمیل سب پر ضروری ہوگی حالانکہ حج کی بجا آوری کا حکم اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حاکم

ولایت وسرپرستی کا قانون بھی اللہ کا بنایا ہوا ہے اور یہ دیگر تمام فقہی قوانین پر فوقیت رکھتا ہے۔

ان تینوں جوابات وتشریحات کو پیش کرنے کے بعد یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ جہاں تک ہم نے سمجھا ہے امام خمینیؒ اسی تیسرے نظریے کے قائل تھے۔ رہا دوسرا سوال کہ آیا ولی فقیہ، رتبہ اور مقام میں جناب رسول خداؐ اور ائمہ طاہرینؑ کا ہم پلہ ہوتا ہے تو اس بات کی تردید خود امام خمینیؒ نے کردی تھی وہ فرماتے ہیں: جب ہم یہ کہتے ہیں کہ جو ولایت جناب رسول خداؐ اور ائمہؑ معصومین کو حاصل تھی وہی ولایت زمانۂ غیبت میں فقیہ عادل کو حاصل ہوتی ہے، تو کوئی یہ گمان نہ کرے کہ فقہاء کی منزلت وہی ہے جو ائمہ علیہم السلام کی تھی یا جو رسولؐ خدا کی تھی۔ کیونکہ یہاں رتبہ اور منزلت کے بارے میں گفتگو نہیں بلکہ ذمہ داریوں کے بارے میں گفتگو ہے۔ ولایت کا مطلب ہے کہ حکومت کرنا، ملک کو چلانا اور قوانین شریعت کو نافذ کرنا، جو ایک وزنی اور اہم ذمہ داری ہے۔ اور ایسا نہیں ہے کہ یہ ذمہ داری یعنی ولایت وحکومت انسان کے واسطے کوئی غیر معمولی مقام وشان پیدا کردے اور اسے معمولی انسانوں کی حد سے بلند کردے۔ دوسرے لفظوں میں جو ولایت ہمارے پیش نظر ہے یعنی حکومت، نگرانی اور قوانین کا نفوذ، وہ بہت سے لوگوں کے تصور کے برخلاف کسی قسم کا امتیاز نہیں بلکہ ایک عظیم ذمہ داری ہے۔ [۱۳]

اب رہا آخری سوال کہ ولی فقیہ کا کام قانون بنانا ہوتا ہے یا قانون کو سمجھنا ہوتا ہے؟ یعنی آیا ولی فقیہ ان قوانین کا استنباط واستخراج کرتا ہے جو پہلے سے ہی قرآن وسنت میں بیان ہوچکے ہیں خواہ مطلق وعموم کی شکل میں خواہ اصول عملیہ کی شکل میں یا پھر ولی فقیہ وقت کے تقاضوں اور مفاد اسلام کے مدنظر از طرف خود قانون بناتا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ایک مجتہد ہونے کی حیثیت سے اگرچہ پہلے مرحلے میں فقیہ کا کام، قرآن وسنت سے احکام کا استنباط واستخراج ہی ہوتا ہے مگر جب وہ انہی حاصل شدہ احکام کو بحیثیت حاکم پیش کرتا ہے تو وہ قوانین کی شکل اختیار کرلیتے ہیں۔ یعنی پھر ان کا ماننا رعایا کے لئے ضروری ہوجاتا ہے۔ اور ہم یہ بتادیں کہ یہیں سے ایک مرجع تقلید اور ولی فقیہ کا فرق بھی واضح ہوجاتا ہے۔ ایک مرجع تقلید (جو کہ مجتہد ہوتا ہے) کا کام قرآن وسنت کی روشنی میں احکام کا سمجھنا، جاننا اور پھر انہیں فتاویٰ کی شکل میں پیش کرنا ہوتا ہے جبکہ ولی فقیہ، حاکم ہونے کے سبب نہ صرف قوانین بناتا ہے بلکہ انہیں نافذ بھی کرتا ہے۔

حوالے:

۱۔مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: فقیہ، از امام خمینیؒ ،ص ۵۸: 'ولائہا وولایت ہا، از شہید مطہری : ،ص ۵۶۔ ۶۴،

۲۔مقالۂ ولایت واقسام آن ،از جوادی آملی ،ص ۱، پایگاہ حوزہ hawzah.net۔

۳۔حکومت درقرآن، از دکتر احمد بہشتی،ص ۱۷۷،' مقالہ ولایت واقسام آن' از جوادی آملی، پایگاہ حوزہ : وغیرہ

۴۔' ولائھا وولایت ہا' از شہید مطہری ،ص ۴۶، ۵۰

۵۔مجلّہ پاسدار اسلام ،شمارہ ۴۷،مقالۂ 'ولایت فقیہ ۔قسمت اوّل'

۶۔ولایت فقیہ، امام خمینی ،ص ۵۵و۵۶

۷۔ مقالۂ 'ولایت واقسام آن، جوادی آملی ، پایگاہ حوزہ بہ نقل از کتاب القضاء شیخ انصاریؒ

۸۔ Muslim Identity in the 21st Century, M.S. Bahmanpour, P.6-7

۹۔ مجموعہ مقالات وپرسش ہا وپاسخ ہای علاّمہ طباطبائی ،ص ۶۲، ۷۰ و ۷۵

۱۰۔ اسلام ومقتضیات زمان، انتشارات صدرا

۱۱۔اسلام ومقتضیات زمان، ج۱،ص ۲۳۹۔۲۴۱ وص ۲۵۵

۱۲۔ اسلام ومقتضیات زمان، ،ج ۲ص ۲۶

۱۳۔صحیفۂ نور ،ج ۲،ص ۴۵۱۔ ۴۵۲

۱۴۔'ولایت فقیہ'، امام خمینیؒ ،ص ۵۵۔۵۶